حافظ محمد ابراہیم فانی
مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

اکوڑہ خٹک

مختصر تاریخی جائزہ

معرکۂ حق و باطل میں جہاں پر سکھوں کو تاریخی شکست کا سامنا کرنا پڑا

قصبہ اکوڑہ خٹک سابقہ "سرائے" اپنی ادبی، ثقافتی، علمی، سماجی، معاشرتی اور تمدنی عظمت کی وجہ سے ایک تاریخی حیثیت کا حامل ہے، دریائے کابل اور جرنیلی سڑک کے مابین واقع یہ قصبہ جو اب ایک بڑے شہر کی حیثیت اختیار کرچکا ہے ابتداء ہی سے ایک تجارتی منڈی اور مرکزی گذرگاہ ہونے کے ناطے مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والے صنعت و حرفت کے ماہرین اور تاجر یہاں پر اپنے کاروبار میں مصروف رہتے اور آج اس قریہ میں زندگی کی تقریباً تمام ضرورتیں اور سہولتیں میسر ہیں۔ مثلاً دینی مدرسے، سکول و کالج، ٹیلیفون، بازار، سڑکیں، ریلوے سٹیشن، ہسپتال، منڈی، پارک، گراؤنڈ، فوجی چھاؤنی، پولیس سٹیشن اور کارخانے وغیرہ، اسی مرکزیت کی بناء پر یہاں کے باشندوں کی زبان ہندکو بھی ہے اور پشتو بھی، لیکن یہاں پر بولی جانے والی پشتو زبان قرب و جوار کے دوسرے قریوں سے جُدا گانہ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مختلف زبانوں اور ثقافت کے لوگ آتے رہتے جن کی وجہ سے زبان میں تغیر اور تبدل آنا ایک فطری امر تھا۔ چونکہ دریا کے اُس پار یوسفزئیوں کا علاقہ ہے اور وہ لوگ تجارت وغیرہ میں اسی قصبہ کے ساتھ منسلک تھے لہٰذا اکوڑہ خٹک کی پشتو زبان پر یوسف زئی زبان و تلفظ کا اثر ہے۔

اس قصبہ کو پشتو کے عظیم قہرمان صاحب سیف و قلم شاعر خوشحال خان خٹک کے مولد ہونے کا شرف حاصل ہے، اس تعلق کی بناء پر اس قصبہ کی شہرت تو پہلے سے موجود تھی۔ بعد ازاں تحریک مجاہدین میں جب اس سرزمین سے علَم جہاد بلند ہوا اور الامام الکبیر سید احمد شہیدؒ کی امارت و قیادت میں سکھوں اور مجاہدین کے درمیان تاریخی معرکہ وقوع پذیر ہوا تو اس واقعہ نے تاریخ اکوڑہ کا منہ موڑا اور کل تک جو قصبہ صرف خوشحال خان خٹک کی معرکہ آرائیوں اور شاعرانہ موشگافیوں کی وجہ سے مشہور تھی آج ایک عظیم جہادی مرکز کی حیثیت سے تمام عالم میں متعارف ہوا، اسی خاک سے علم و فضل اور علم و ادب کے چشمے پھوٹے کہ آج ان چشموں کے قطروں سے دریا سیراب ہو رہے ہیں۔ اسی خمیر کی سیمابی صفت کا اثر ہے کہ اس میں اگر ایک طرف شعر و ادب کا غلغلہ ہے تو دوسری جانب نہ صرف صوبہ سرحد بلکہ پورے پاکستان پر اس کے سیاسی اثرات ہیں۔ اگر ایک طرف قال اللہ اور قال الرسول کے زمزمے گونجتے ہیں تو دوسری جانب کشتگانِ عشق حقیقی اپنی دُھن میں مگن ذکر اللہ میں مصروف نظر آتے ہیں۔ اگر ایک طرف قیام اللیل کے شب زندہ داروں کے نورانی چہرے دل و دماغ کو روحانی کیفیات سے سرشار کرتے ہیں تو دوسری طرف فرسان النہار کے جنگ آزما دشمنانِ دین و ایمان کے شیطانی منصوبوں کو تاراج کرنے والے، سوویت یونین جیسی سپر پاور طاقت کو دعوت مبارزہ دینے والے سربکف اور کفن بردوش مجاہدین ملیں گے جو یہاں کے اس عظیم جامعہ حقانیہ سے علم و حکمت کے قیمتی موتی اپنے دامن میں سمیٹنے کے لیے آئے تھے اور ان کا سوائے کتاب و قلم اور استاذ و درسگاہ کے علاوہ کسی دوسری چیز سے واسطہ نہ تھا مگر جب وقتِ جہاد آیا تو وہ تلوار کے دھنی اور توپ و تفنگ کے ماہر نکلے ؎

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آدابِ فرزندی

یہ قصبہ حضرت الشیخ اخوند الدین رحمۃ اللہ علیہ کا مدفن ہے جو کہ مشہور بزرگ حضرت کستیر گل عرف شیخ رحمکار بابا رحمۃ اللہ علیہ (جن کے مزار کی وجہ سے ایک مشہور قصبہ زیارت کاکا صاحب آباد ہے، اور کون ہوگا جو اس قصبہ کی اہمیت سے ناواقف ہوگا) کے استاذ تھے اور آج بھی ان کا مزار مرجع خلائق ہے۔

المختصر یہ وہ قصبہ ہے جہاں بڑے بڑے جرنیل عظیم المرتبت، علماء، نابغۂ فضلاء، تاریخ ساز سیاستدان، زیرک خواتین، عہد آفرین ادیب، موشگاف شعراء، باریک بین محققین، دانشور اور نقاد پیدا ہوئے۔ اسی خاک کی گود میں کتنے اعاظم رجال پلے بڑھے اور زمانے پر چھا گئے۔ راقم نے اپنی زندگی کا اکثر حصہ یہاں گذارا، ایک دن پشتو کے مشہور ادیب، شاعر، نقاد، سکالر، ڈرامہ نویس اور افسانہ نگار جناب پروفیسر محمد افضل رضا سے عرض کر رہا تھا کہ یہ تو سنا ہے کہ یہ آدمی نابغہ ہے، فلاں شخص نادرۂ روزگار اور جینئس ہے یعنی اشخاص اور افراد کے بارے میں لیکن یہ نہیں سُنا اور نہ اپنے محدود مطالعہ کے مطابق کہیں پڑھا ہے کہ فلاں شہر شہروں میں جینئس ہے، چنانچہ میں نے عرض کیا کہ اکوڑہ خٹک ہی ایک نابغہ اور جینئس شہر ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر برادرم مولانا عبدالرزاق صاحب سنگین کا

ایک اقتباس پیش کروں :-

"اکوڑہ خٹک دیکھنے میں تو ایک معمولی سا قصبہ ہے لیکن یہ قصبہ علاقہ خٹک کا تاریخی اور مرکزی مقام ہونے کی حیثیت سے عظیم شہرت کا مالک ہے، خوشحال خان خٹک جن کی قومی شاعری کو ڈاکٹر اقبال نے بھی خراجِ عقیدت ادا کیا ہے، اسی سرزمین میں پیدا ہوئے، عبدالقادر خان خٹک کی سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی غزلیں اسی فضا میں گونجیں، علی باخان خٹک جن کی عشقیہ شاعری گندم کے خوشوں کی طرح سہانی ہے، ان کا ہیولیٰ اسی آب و گل سے تیار کیا گیا تھا، کاظم خان شیدا جس نے شعر کی لڑی میں وہ انمول موتی پروئے جواب بھی عروسِ ادب کا آویزۂ گوش ہیں، یہیں آباد تھا، لیکن علمی اور ملی فیض رسانی کی سعادت حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رح کے حصہ میں آئی"۔

(ماہنامہ "فروغ اسلام" لاہور)

۱۹۴۷ء میں جب برصغیر کی تقسیم عمل میں آئی اور پاکستان و بھارت کے نام سے دو نئی مملکتیں صفحۂ ہستی اور نقشۂ عالم پر نمودار ہوئیں تو یہاں سے اکوڑہ خٹک کی تقدیر اوجِ ثریا میں داخل ہوگئی اور جب دارالعلوم کی بنیاد حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رح نے اپنے محلے کی ایک چھوٹی سی مسجد میں رکھی تھی، میرے خیال میں اس وقت ان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ میں آج یہاں جس مدرسہ کی طرح ڈال رہا ہوں بعد میں ایک عالمگیر شہرت کی حامل یونیورسٹی کی شکل اختیار کر جائیگا اور اس کی عظمتوں کے سامنے آسمان بھی جھک جائیں گے ؎

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے

(اقبال رح)

یہ حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کے انتہائی اخلاص کا ثمر ہے کہ آج ہی دارالعلوم اکوڑہ خٹک کو چار دانگِ عالم میں متعارف کرانے کا ذریعہ بنا، آج دنیا کے مختلف گوشوں میں اس مدرسہ کے ابناء مصروف ہیں، کچھ خطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں اور کچھ سیاسیات، معاشیات، اقتصادیات اور دیگر میدانوں میں اپنی استعداد اور قابلیت کا لوہا منوا رہے ہیں۔

اے زمینِ اکوڑہ! تیری عظمت کو اس مردِ درویش رح نے کہاں سے کہاں تک پہنچایا۔ اے خوشحال کی سرزمین! تیرا شہرہ چار دانگِ عالم میں اس فقیر منش مردِ حق آگاہ سے ہوا۔ اے خاکِ پاک! تیرے سینے پر چند غریب الدیار مجاہدین نے ہزاروں میل کا سفر طے کرکے اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے عالمِ بے سامانی میں قدم رکھا تھا اور تیری ہی گود میں ان کی گرمیٔ انفاس نے ایمان کو حرارت اور عزم و استقلال کو طراوت بخشی تھی۔ اس سرآمدِ روزگار ستارۂ ہفت اقلیم فقیر "عبدحق" نے ان انفاس کی لاج رکھ لی، اور آج بھی جامع مسجد دارالعلوم کا بلند و بالا مینار آپ کی عظمتوں پر گواہ اور شاہدِ عدل ہے۔ وہ دلوں پر حکومت کرنے والی ہستی دارالعلوم کے شعبہ دارالحفظ کے سامنے خصوصی مقبرہ میں محوِ استراحت ہے جہاں پر کلامِ الٰہی کے دلآویز زمزمے شب و روز بلند ہوتے ہیں۔

ذیل میں اس قصبہ کی مختصر اور کچھ مجمل تاریخ درج کی جاتی ہے تاکہ اس پس منظر یہ پیش منظر کچھ اور پُربہار معلوم ہو :-

تاریخ اکوڑہ و بانیٔ قصبہ ملک اکوڑ خان

اکوڑہ خٹک کا پرانا نام سرائے تھا بعد میں اپنے بانی کی نسبت سے یہ قصبہ اکوڑہ خٹک کے نام سے مشہور ہوا، اس کی ملخص تاریخ کچھ یوں ہے :-

"ملک اکوڑ خان، درویش محمد خان عرف جنجو کا بیٹا تھا۔ اس نے کہاں سے کہاں سے ہجرت کی؟ اس کے بارے میں اکثر مؤرخین دھوکہ کھا گئے ہیں، بجز ایک مؤرخ گوپال داس جس نے تاریخ ضلع پشاور لکھی اصل حقیقت تک پہنچ سکا باقی مؤرخین شاید تاریخ مرصع کے تتبع میں غلطی کر گئے۔ گوپال داس تاریخ مرصع میں یوں رقمطراز ہیں: "روایت ہے کہ اوانِ سلطنت چغتائی میں بزمانہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ بادشاہ ہندوستان ملک اکوڑہ و حسن خاں برادران حقیقی پسران جنجو قوم خٹک موضع چونترہ (سوترہ) علاقہ کوہاٹ سے بوجہ دلائے افلاس اس جگہ آئے اور ساکن تسنت و دشوار میں بود و باش کرکے پیشۂ رہزنی اشخاص تجار و غیرہ مردمان ساکنین شہر لئے کابل اختیار کیا۔ رفتہ رفتہ جب یہ خبر بادشاہ تک پہنچی تو بفرمان شاہی چند اشخاص شاطران ملک اکوڑ گرفتار ہوکر حضور میں طلب ہوا اور مورد سلطنت شہنشاہی دگوشمالی کماینبغی ہوکر آئندہ کے لیے امر ناجائز سے ممنوع کیا گیا۔ اس حالت میں نام بردہ نے دست بستہ گذارش کی کہ بجز اس پیشہ کے کوئی صورت مایحتاج کی نہیں رکھتا ہوں کچھ وجہ کفاف کی معین فرمائی جائے، تب بادشاہ نے یہ زمین ایک پاؤ دفتر کے منجملہ سولہ ثمار دفتر پرخٹک سے بلا عطائے سند اس کو دے دی، بعد حصولِ ملکیت ملک مذکور نے مقام کوٹلی پر ایک چھوٹا سا گڑھ بحجر کا بصورت ڈھیری کے دریائے لنڈہ کے جنوبی کنارے پر واقع ہے ایک باڑہ یعنی احاطہ جس کو بزبانِ ملک سرائے نام کرتے ہیں بگرد آوری خار ہائے چوب کنار دشتی وغیرہ کے بنایا، تو نام اس سرائے کا بایزادِ بانی سرائے اکوڑ مشہور ہوا۔ کچھ عرصہ کے بعد مورث نے اس جگہ کو بباعث اتصال دریا معرض خوف میں تھی اور نہ اس کے خویش اور قبیلہ کے لوگ اس میں سما سکتے تھے، چھوڑ کر تخمیناً ہزار قدم کے فاصلے پر بجائے آبادی موجودہ ایک سرا بچونائی سنگ و خرا دبطور چار دیواری کے بنائی جس میں سوائے گذارہ متعلق بانی مکان کے ساکنین شاہراہ کابل کو بھی آرام شب باشی اور حفاظت مالی کا ملا اور نام اس کا صرف سرا مشہور ہوا اور بادشاہ وقت کی طرف سے واسطے رفاہ مسافرین کے بھٹیارہ لوگ و نانبائی و دوکانداران کا انتظام فرمایا اور روز بروز رونق بڑھتی گئی، محصول مکان سرا کا بھی بادشاہ نے ملک اکوڑ کو معاف کردیا، تب سے علاقہ قرب و جوار میں نام اس جگہ کا بکثرت استعمال محض مورث کے نام پر اکوڑہ نامزد ہوا ہے، اِلّا علاقہ ہائے

بعید الوقوع مثل سوات و باجوڑ و اقوام آفریدی و چھچھ وغیرہ میں اب تک صرف سرایا بعض جگہ سرائے اکوڑہ بولا جاتا ہے۔ جب ایام زلیست افضل خان ولد یحییٰ خان مورث نے جو اپنے وقت کا بڑا نام آور شخص گذرا ہے اور نیز پیچھے اس کے خوشحال آبادی قصبہ رونق یاب ہوتی چلی گئی، توں توں مختلف اقوام کے لوگ اکنہ گرد و واح سے مثل اعوان، خٹک و پٹھان و دولہ زاک و سید و شیخ و پراچہ و ملاح و بھٹیارہ و موچی و کشبیک و حجام و اڑوڑہ و مالیار و باغبان و مغل و زرگران و گجر و کشمیری و درانی وغیرہ بھی آکر بانواع مختلفہ اصل مورث کی اولاد سے متصل املاک ہوتے گئے، چنانچہ یہ جملہ اقوام مصرحہ بالا اس میں آباد و مالک ہیں، ریاست پنہ خٹک قدیم سے اکوڑہ مورث کی اولاد کے قبضہ میں رہی ہے، چنانچہ پہلے افضل خان پھر شہباز خان پھر اشرف خان اور پھر محمد افضل خان پھر سعد اللہ خان پھر سرفراز خان پھر آصف خان، پھر نور اللہ خان اور پھر فیروز خان ولد نور اللہ خان اور پھر عباس خان اور پھر امیر خان اپنے اپنے وقت کے رئیس تھے، بلکہ شخص جعفر خان بڑا نام آور رہا۔

تاریخ مرصع میں ہجرت کی وجہ عزیزوں سے آزردگی اور تاریخ پشاور میں افلاس لکھا گیا ہے، میرے خیال میں اس کے کوچ کی بات کوئی نئی نہیں جس کے لیے خواہ مخواہ اسباب تلاش کیے جائیں۔ میں نے بار بار واضح کیا کہ بہتر زندگی کی تلاش میں کوچ کرنا اس زمانے کا عام رواج تھا، جیسا بھی تھا، جہاں سے بھی ہوتا بھی وہ چراٹ سے خوڑہ تک پہنچا، یہ ثابت ہے کہ عنفوان شباب میں اپنے بھائی حسن خان اور دوسرے مُہم جو ساتھیوں کے ساتھ چراٹ سے خوڑہ تک پہنچا جہاں پہلے سے بھی خٹک آباد تھے، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اکوڑ خان یہاں پر مستقل رہائش کی نیت سے نہیں مہم جوئی کی غرض سے آیا تھا۔ تاریخ مرصع کے مطابق یہ وہ زمانہ تھا جب صوبہ کابل کا صوبہ دار اکبر کا سوتیلا بھائی مرزا حکیم تھا اور برصغیر پر اکبر کی حکومت تھی، اکبر کی ہندو نوازی اور عقائد کی خرابی مسلمانوں میں اچھی نظر سے نہیں دیکھی جاتی تھی، لوگ اکبر کے ساتھ ہندوؤں سے بھی بدظن ہو چکے تھے، ملک اکوڑ ایک ایسے علاقے سے آیا تھا جو حکومت کے دائرے سے باہر تھا چراٹ کے خوڑہ میں پہنچ کر وہ حلقہ حکومت کے قریب آگیا، حکومت کے خلاف جو تاثر تھا اس سے آشنا ہوا، ایک مسلمان کی حیثیت سے اس نے پہلا رد عمل اُن ہندو جوگیوں کے قتل کرنے کی صورت میں ظاہر کیا جو چراٹ کی ایک چوٹی کو اپنا مذہبی مقدس مقام ظاہر کرتے ہوئے زیارت کے لیے آتے تھے، اتنے زیادہ جوگیوں کو قتل کیا کہ جب ملاقات کے دوران اکبر نے اس سے تعداد کے متعلق پوچھا تو اکوڑ خان نے جواب دیا کہ تعداد بے شمار ہے البتہ ایک طرح سے حساب لگایا جا سکتا ہے، وہ یہ کہ ان کے کان میں جو بالی ہوتی تھی قتل کرنے کے بعد وہ بالی اتار کر میں مٹکے میں رکھ دیتا تھا اور اس طرح سے دو مٹکے بھر گئے۔ اکوڑ خان پہلے ان جوگیوں کو دعوتِ اسلام دیتا تھا اور اگر دعوت رد کر دی جاتی تو انہیں قتل کر دیا جاتا۔

بعد میں بادشاہ نے ملک اکوڑ کے پاس ایلچی بھیجا اور اُسے اپنے دربار میں طلب کیا، اکوڑ خان مقررہ دن اپنے عزیز و اقارب کو ساتھ لے کر دربار کی طرف روانہ ہوا۔ گھوڑے، عَلَم، ڈھول سرنا اور بے شمار لوگ اس کے جلوس میں شامل تھے اور وہ اس شان سے دربار کی طرف بڑھنے لگے کہ جب خیرآباد کے مقام پر یہ جلوس نمودار ہوا تو دریا کے کنارے شاہی دربار کے لوگ بھاگ کر تماشے کے لیے نکل آئے، تو شور کی آواز بادشاہ نے بھی سُنی وہ بھی جلوس دیکھنے کے لیے باہر تشریف لایا، اکوڑ خان کی یہ شان دیکھ کر پکار اٹھا کہ لوگوں نے اس آدمی کو ڈاکو بتا کر غلط بیانی کی ہے، یہ شان و شوکت بادشاہوں والی ہے، لہٰذا دیکھتے ہی اکبر کے دل میں اس کے لیے عزت پیدا ہوئی، جب اکوڑ خان پہنچا تو اس کی آؤ بھگت امتیازی حیثیت سے کی گئی۔

اکبر نے شاہی راستے کی حفاظت کی ذمہ داری اکوڑ خان کو سونپ دی اور ساتھ ہی خیرآباد سے نوشہرہ تک کا علاقہ بطور جاگیر کے عنایت کیا۔ اس موقع پر بادشاہ نے ملک اکوڑ خان کو منصب بھی پیش کیا لیکن ملک نے اس پیشکش کو اس وجہ سے رد کیا کہ اسی صورت میں بادشاہ کی خدمت میں ہر وقت رہنا پڑے گا، بعد میں ملک اکوڑ خان نے اپنے قبیلے کو اس فیصلے سے آگاہ کیا جس پر وہ لوگ بہت خوش ہوئے اور یوں وہ خوڑہ سے کوچ کر کے اس جگہ آئے جہاں آج سرائے اکوڑہ آباد ہے۔ اکبر نے اٹک گھاٹ پر اموال و مویشی کی آمد و رفت پر محصول وصول کرنے کا اختیار بھی اکوڑ خان کو دیا۔ افضل خان نے تاریخ مرصع میں لکھا ہے کہ اکوڑ خان تلوار کا دھنی سنی اور بہادر آدمی تھا، اس کی سخاوت و فیاضی اس حد تک تھی کہ جو کچھ کماتا اپنے یاروں، دوستوں اور فقراء و غرباء میں تقسیم کرتا۔ اکوڑ خان اپنے بیٹے یوسف خان اور چند دوسرے ساتھیوں سمیت نازو خان بولاک خٹک کے ہاتھوں قتل ہوا [1]

اکوڑہ خٹک اور تحریک حضرت سید احمد شہیدؒ

یہی قصبہ اکوڑہ خٹک مرکز مجاہدین اور جہادی عظمتوں کا امین رہا ہے۔ اسی مناسبت سے جب عالم اسلام کے عظیم داعی اور مفکر حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ ۹ جولائی ۱۹۷۸ء کو دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے تو حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے اپنے استقبالیہ کلمات میں اسی قصبہ کے اس خاص وصف اور عظمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

"میرے پاس وہ الفاظ نہیں جن سے حضرت الاستاذ الداعیۃ الکبیر علامہ ندوی کا خیر مقدم اور شکریہ ادا کروں، صرف اتنا عرض ہے کہ آج دارالعلوم کی شکل میں علوم دینیہ کا جو سلسلہ اللہ تعالیٰ نے چلایا وہ حضرت ندوی کے مورثِ اعلیٰ سیدنا الامام احمد بن عرفان شہیدؒ، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور ان اسلاف کے جہاد و قربانی کا ایک کرشمہ ہے اور انہی اسلاف کی برکات ہیں، حضرت سید احمد شہیدؒ کا جو مقام دعوت و عزیمت تھا، اس دعوت کو مولانا ندوی نے صرف عالم اسلام میں نہیں بلکہ بلکہ یورپ میں اور اسلام دشمن ممالک کے آخری سروں تک پہنچایا، بیشک آپ

۱۔ پروفیسر پریشان خٹک "پشتون کون؟" صفحہ ۳۱۳ تا صفحہ ۳۲۴ ملخصاً، پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی

ان کے اہل وارث ہیں' سید احمد شہیدؒ نے جس مقام سے اپنے جہاد کا آغاز کیا وہ یہی اکوڑہ خٹک تھا اور صدیوں بعد اللہ کے دین کے لیے، خالص اللہ کی رضا کے لیے برصغیر میں اگر خونِ شہادت گرا کسی مسلمان کا تو وہ سعادت اسی سرزمینِ اکوڑہ خٹک کو حاصل ہے' یہی وہ علاقہ ہے یہی وہ فضائیں ہیں جہاں آپ کے سید احمد شہیدؒ نے سالہا سال ریاضتیں کیں' ایک ایک بستی میں گشت کیے، ایک ایک حجرہ کو وعظ و تبلیغ سے منور کیا' یہاں انہوں نے حکومتِ الٰہیہ قائم کی اور آج تقریباً یہی وہ معرکہ کا میدان ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم حقانیہ کو قائم کیا ہے ؎

بہر زمیں کہ نسیمے ز زلفِ او زدہ است
ہنوز از سرآں بوئے زلف می آید

اور جس طرح دارالعلوم دیوبند کے مقام و محل سے گذرتے ہوئے حضرت سید شہیدؒ نے فرمایا کہ مجھے یہاں سے علم کی خوشبو آرہی ہے، اسی طرح ان میدانوں اور صحراؤں میں سید شہیدؒ کی راتیں گذریں۔ راتوں کی آہ و بکا، سوز و گداز کیا کیا راز و نیاز ہوگا جو ان میدانوں میں' ان فضاؤں میں نہیں ہوا ہوگا، اسی اکوڑہ خٹک کے معرکۂ حق و باطل والی رات کو سید شہیدؒ نے لیلۃ الفرقان کہا تھا کہ یہ رات حق و باطل کی تمیز کا ذریعہ ٹھہری ــــــ" (الحق جلد ۱۳ ش ۱۱ ص ۶)

ان ترحیبی کلمات کے بعد جب مولانا ندوی مدظلہ' خطاب کے لیے آئے تو انہوں نے اس سرزمینِ حمیت و غیرت میں ان نفوسِ قدسیہ کے رزمیہ ولولوں کا نقشہ کچھ یوں کھینچا:۔

ــــــ "محمود غزنویؒ اور ان سے پہلے اگر کوئی آیا ہو تو اس وقت سے لیکر احمد شاہ درانی تک [illegible] اس راستہ سے آنے والوں میں سب سے آخر میں آنے والا تھا اور جس نے کہ مسلمانوں کے خلاف جو طاقتیں جمع ہو رہی تھیں ہندوستان اور جن کی قیادت مرہٹے کر رہے تھے ان طاقتوں کی کمر توڑ دی اور مغلیہ سلطنت نہیں بلکہ مسلمانوں کی عظمت و تہذیب کے گُل ہوتے ہوئے چراغ کو پھر تھوڑا سا تیل اور بتی مہیا کر دی اور ہندوستان کے مسلمان پھر پچاس ساٹھ برس کے لیے یہاں اپنے آپ کو محفوظ سمجھنے لگے اور اسلام کی شوکت کا نقش قائم ہو گیا۔ ہم کو یہ راستہ بھی عزیز ہے جس راستہ سے یہ فاتح اور کشور کشا آئے، لیکن جیسا کہ ابھی مولانا سمیع الحق صاحب نے فرمایا اور بجا فرمایا کہ اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے اور اللہ کی رضا کے لیے اور سنتوں کو زندہ کرنے کے لیے اور مسلمانوں کی زندگی کو شریعت کے سانچہ میں ڈھالنے کے لیے اور اُدْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً کا پیغام پیدا کرنے کے لیے، عمل کرانے کے لیے، حدودِ شرعیہ کو نافذ کرنے کے لیے، قوانینِ شریعت کو رائج کرنے کے لیے جو پہلا خون صدیوں کے بعد ہی نہیں بلکہ پورے عالمِ اسلام میں تھوڑے بہت مطالعہ کی بناء پر جس کا موقع مجھے مل سکا ہے یہ کہہ سکتا ہوں کہ عالمِ اسلام میں صدیوں بعد جو پہلا پاک خون "دم ذکی" جس میں کوئی ملاوٹ نہیں تھی، وہ خون جس سرزمین پہلی بار بہا ہے وہ آپ کی سرزمین ہے، یہ اکوڑہ خٹک کی سرزمین ہے جسکے متعلق مرزا مظہر جانِ جاناں کا یہ شعر صحیح ہو گا ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

تو آپ کی اس سرزمین کو یہ فخر حاصل ہے کہ یہاں پر اللہ کی راہ میں اس جہاد کا آغاز ہوا، اور ابھی میں راستہ میں سُنا رہا تھا کہ ہمارے رائے بریلی کے ایک خانصاحب تھے عبدالمجید خان، ان کا نام بھی اس فہرست میں شامل تھا جنہیں رات کو اکوڑہ کے چھاپہ کے لیے بھیجا جاتا تھا، رات کو چھاپہ ڈالنا تھا اور یہاں سے مجاہدین کی جو فرودگاہ تھی چھ کوس یا دس کوس کے فاصلے پر اور پھر رات ہی کو شبخون مار کر واپس آنا تھا، تو حضرت سید احمد شہید صاحبؒ کے سامنے جب فہرست آئی تو اُن کو معلوم تھا کہ عبدالمجید خان صاحب بیمار رہیں اور کمزور ہیں تو اُن کے نام کے سامنے نشان لگا دیا کہ ان کا نام نکال دیا جائے کہ کوئی جہاد کا اختتام نہیں آغاز ہے پھر بہت سے مواقع آئیں گے ان کے جہاد کے۔ تو اُن کو جب معلوم ہوا کہ میرا نام فہرست سے نکال دیا گیا ہے، تو کوئی اور ہوتا اس موقع کو غنیمت سمجھ لیتا کہ چلئے سر پر آیا ایک خطرہ تو ٹل گیا۔ چند آدمی دس ہزار کی فوج پر چھاپہ ڈالنے جا رہے ہیں، راستہ کے نشیب و فراز سے ناواقف ہیں، تو پہلا تجربہ تھا، سوچئے کہ معلوم نہیں کیا صورت پیش آئے گی، تو وہ ایسے موقع کو غنیمت سمجھ لیتے کہ مجھے بھی کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی، میرا نام امیر المومنین نے خود ہی کاٹ دیا، اس سے بہتر کیا بات ہوگی۔ بلکہ ایسا نہیں بلکہ دوڑے دوڑے آئے اور شکایت کی کہ میرا نام کیوں فہرست سے کاٹ دیا ہے؟ فرمایا بھئی تمہیں بخار آرہا ہے سُنتا رہا ہوں کہ تم بیمار اور کمزور ہو اور یہ بڑا سخت چھاپہ ہے اس کے لیے جفاکش اور تنومند لوگوں کی ضرورت ہے تو انہوں نے کہا کہ حضرت! آج جہاد فی سبیل اللہ کی بنیاد قائم ہو رہی ہے اور یہ پہلا موقع ہے تو کیا میں اس بنیاد کے موقع سے محروم رہ جاؤں، تو میرا نام للہ اس فہرست میں شامل کر لیجئے، تو ان کا نام اس فہرست میں شامل کر لیا گیا اور اللہ نے ان کو قبول فرما لیا اور وہ اس میں شہید ہوئے۔

تو یہ سارے واقعات اس سرزمین کے ہیں' اس راستہ پر آج میں پہلی مرتبہ آیا ہوں اور اس سے قبل پشاور اور مردان کے راستے آنا ہوا تھا جو آج سے تقریباً چونتیس ۳۴ پینتیس ۳۵ برس پہلے کا واقع ہے جب دارالعلوم حقانیہ نہیں تھا اور میں آیا اور گھوم پھر کر چلا گیا۔ کیا معلوم تھا کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا اور میری عمر وفا کرے گی اور اللہ مجھے اُس وقت تک زندہ رکھے گا کہ میں پھر دوبارہ یہاں آؤں گا اور اپنی آنکھوں سے اس دارالعلوم کو دیکھوں گا جہاں ان شہیدین کی نہ صرف یادتازہ ہے بلکہ انتساب بھی ان کی طرف کیا جاتا ہے۔ یہ نسبتِ گرامی ایسی ہے کہ انشاءاللہ یہ رنگ لائے گی، خونِ شہیداں رنگ لایا، اس کا نام حقانیہ ہے، اس میں حقانیت انشاءاللہ قائم رہے گی اور یہاں سے جو لوگ تیار ہو کر نکلیں گے وہ حقانیت کے علمبردار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ الحدیث اور شیخ العلماء حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کی زندگی میں برکت عطا فرمائے اور اس مدرسہ کی کامیابیوں کو دیکھ کر اُنکی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ خوش ہوں، اور اللہ تعالیٰ ان کے لگائے ہوئے اس باغ کو شاداب رکھے اور پھلتا پھولتا رکھے۔ یہاں اس سرزمین میں ایک ایسا مدرسہ ضرور ہونا چاہیئے تھا، جہاں قال اللہ اور قال الرسولؐ کی آوازیں بلند ہوں' اسلیئے کہ یہ اسی قال اللہ اور قال الرسولؐ ہی کا نتیجہ تھا کہ کتنے اللہ کے بندے ہتھیلیوں پر

سر رکھے ہزاروں میل سے ہندوستان سے کہاں کہاں سے یہاں پر آئے اور کہاں یہ میدان؛ یہ قال اللہ اور قال الرسول ہی تھا جو ان کو اتنی دور کھینچ لایا، اور جب تک یہ صدائیں بلند ہوتی رہیں گی، انشاء اللہ تعالیٰ اللہ کی رحمت برستی رہے گی ؎

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشاں است
خم و خمخانہ بامہر و نشاں است

ابھی یہ خمخانہ خالی نہیں ہوا بلکہ جاری ہے، اور حافظؒ کے اس شعر پر میں ختم کرتا ہوں ؎

از صد سخنِ پیرم یک نکتہ مرا یاد است
عالم نہ شود ویراں تا میکدہ آباد است

کہ اپنے مرشد کی سو باتوں میں سے ایک بات مجھے یاد رہ گئی ہے کہ عالم اُس وقت تک ویران نہیں ہوگا جب تک یہ میکدہ قائم ہے۔

اور حدیث میں آتا ہے کہ جب تک ایک بھی اللہ اللہ کرنے والا باقی ہوگا، وقت تک قیامت نہیں آئے گی۔ آپ کو مبارک ہو، یہ سرزمین بھی مبارک ہی کبھی ہے ؎

تا نہ خواہی داشتن گرداغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

مجاہدین اور جنگ اکوڑہ

حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ "سیرت سید احمد شہیدؒ، حصہ اول" میں اکوڑہ کی جنگ کے زیرِ عنوان رقمطراز ہیں:۔

"اس وقت تک مجاہدین کو سکھوں سے جنگ کی نوبت نہیں آئی تھی، جنگی مصلحتوں کا تقاضا تھا کہ پہلا معرکہ کامیاب ہو اور دشمن پر مجاہدین کی جانبازی کا نقش قائم ہو جائے، حریف کی تعداد سات ہزار بیان کی جاتی تھی، اس کے مقابلے میں جن مجاہدین پر اعتماد کیا جا سکتا تھا وہ صرف پانچ سو ہندوستانی اور دو سو قندھاری تھے۔ فیصلہ کیا گیا کہ پہلا معرکہ شبخون کی صورت میں ہو تاکہ اصل اور مرکزی طاقت کو محفوظ رکھتے ہوئے دشمن پر ضرب لگائی جائے اور اس کو ہراس زدہ کیا جائے۔

نمازِ ظہر کے بعد سید صاحبؒ نے اپنے خاص خاص لوگوں سے مشورہ کیا اور فرمایا کہ اچھے چست اور چالاک جوانوں کے نام ایک فرد پر لکھ کر لائیں اور ان میں کے پاس اچھے درست ہتھیار نہ ہوں دوسرے بھائیوں سے بدل لیں، ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۲ھ کو نمازِ مغرب کے بعد آپ نے اللہ بخش خان جماعت دار کو بلایا اور لڑائی کے چند قانون بتاتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے تم کو اس چھاپے کے لیے امیر مقرر کیا ہے، تم اس وقت کچھ لوگ لے کر دریا کے پار اُس کنارے پر ٹھہرو جب اور لوگ یہاں سے جا کر تمہارے پاس جمع ہوں تب سب صاحبوں سے کہہ دینا کہ گیارہ گیارہ بار لِاِیلٰفِ قریش پڑھ لیں، پھر وہاں سے کوچ کرنا اللہ مدد کرے گا۔

پھر آپ ہندوستانی و قندھاری اور ملکی لوگوں سے تقریباً نو سو آدمیوں کو لے کر دریا کے کنارے تشریف لے گئے، اس عرصے میں اللہ بخش خان صاحب بھی چند آدمیوں کے ہمراہ کشتی پر سوار ہو کر آپ سے آ ملے اور رخصت ہوتے کو اس پار آ گئے، آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ ہم جنابِ الٰہی میں دعا کرتے ہیں تم سب آمین کہو، پھر آپ سر کھول کر دعا میں مشغول ہو گئے کہ "اے پروردگار قادر بے نیاز اور اے کریم کارساز بندہ نواز! یہ تیرے بندے محض عاجز و خاکسار، ضعیف و ناچار ہیں، تیری ہی مدد کے امیدوار ہیں، تیرے سوا ان کا کوئی حامی و مددگار نہیں، یہ صرف تیری خوشنودی اور رضامندی کو جاتے ہیں تو ہی ان کی مدد کر۔" دعا کے بعد سب لوگ آپس میں ملے اور ایک دوسرے کو کہا سنا معاف کرایا اور کہا کہ اگر اللہ تعالےٰ زندہ سلامت لائے گا تو پھر ہم تم ملیں گے اور جو وہاں شہید ہو گئے تو پھر انشاء اللہ ہماری ملاقات جنت میں ہو گی۔ پھر ہر شخص سید صاحب سے مل کر گیارہ گیارہ بار لِاِیلٰفِ قریش پڑھ کر اکوڑہ کی طرف روانہ ہوا، یہ سب مجاہدین جاتے جاتے فوج مخالفین کے ڈیرے سے پاؤ کوس کے فاصلے پر ایک نالے پر ٹھہرے، انہوں نے ایک شخص کو خبر لانے کے واسطے بھیجا کہ کس طرف لشکر کے لوگ غافل ہیں اور کس طرف ہوشیار، سکھوں کے لشکر کا معمول تھا کہ جہاں کہیں اترتے لشکر کے گرد خاردار درخت کاٹ کر سنگر بنا لیتے تھے۔ وہ آدمی وہاں کی خبر لایا اور کہا کہ فلاں طرف لوگ غافل ہیں، اور لوگوں کو لے جا کر ان کے سنگر کے قریب کھڑا کر دیا۔

اُس وقت لشکرِ کفار میں گھڑیالی نے تین پہر پر تین گھڑیاں بجائیں، اُدھر سے با آوازِ بلند اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ کر سب مجاہدین سکھوں کی فوج میں گھس گئے، اس عرصے میں اُدھر سے ایک پہرے والے نے بندوق ماری، قضائے الٰہی سے وہ گولی شیخ باقر علی صاحب کے لگی اور وہ اسی جگہ بیٹھ گئے اور کہا کوئی بھائی میرے پاس کے ہتھیار لے لے، یہ اللہ کا مال ہے، میرا کام تو ہو گیا مگر ارمان دل میں باقی رہا۔ اس موقع پر مجاہدین نے دادِ شجاعت دیتے ہوئے دشمن پر کاری ضرب لگائی اُس وقت صبح صادق خوب نمودار ہوئی تھی، پھر لوگوں نے سنگر سے نکل کر انتظام کے ساتھ راستہ لیا وہاں سے کوس بھر پر تیمم کر کے نماز پڑھی، سید صاحبؒ بہت سے لوگوں کے ساتھ دریا پر کھڑے تھے، آپ نے شہداء کے لیے دعائے مغفرت کی، زخمیوں کا معالجہ اور مرہم پٹی کی گئی پھر معلوم ہوا کہ ہندوستانیوں میں سے کوئی چھتیس (۳۶) آدمی شہید ہوئے اور قندھاریوں سے کوئی چالیس بیالیس، اور دونوں میں سے کُل تیس چالیس آدمی زخمی ہوئے سکھوں کے سات سو آدمی مارے گئے۔ یہ واقعہ ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۲ھ مطابق ۲۰ دسمبر ۱۸۲۲ء چہارشنبہ اور پنجشنبہ کی درمیانی شب کا ہے۔

اس جنگ کا اثر مسلمانوں اور مخالفین پر خاطر خواہ ہوا، مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوئے، دربارِ لاہور کی بھی آنکھیں کھلیں، ملکی سردار جوق در جوق آ کر مبارکباد دینے لگے۔[1]

---

[1] ابوالحسن علی ندوی مدظلہ "سیرت سید احمد شہیدؒ" حصہ اول ص ۴۵۷ تا ۴۶۴ ملخصاً

معرکہ اکوڑہ خٹک کے بارے میں شاہنامہ بالاکوٹ سے اقتباس

خبر پہنچی کہ دشمن دس ہزار افراد رکھتا ہے
وہ توپیں اور بندوقیں بھی لاتعداد رکھتا ہے
اِدھر اسلام کے جانباز مٹھی بھر سپاہی تھے
نفوسِ پاک تھے سرشارِ تائیدِ الٰہی تھے
نہ اُن کے پاس توپیں تھیں نہ تھا بارود پر تکیہ
اگر کچھ تھا تو بس نصرِ منَ المعبود پر تکیہ
نہ خودیں تھیں نہ ہمیزیں نہ زرہیں تھیں نہ بکتر تھے
نہ سب کے پاس بندوقیں نہ سب کے پاس خنجر تھے
بھروسہ تھا فقط اُن کو خدا کی دستگیری پر
وہ تھے انصارِ احمدؐ ناز تھا اُن کو فقیری پر
شہادت کی تمنا میں وہ مجنوں وار آئے تھے
کوئی ہتھیار پہنے کوئی بے ہتھیار آئے تھے
نہ دشمن کے مقابل قوت و سامان رکھتے تھے
نہ گھوڑے تھے نہ جوڑے تھے فقط قرآن رکھتے تھے
یہ پہلا معرکہ تھا امتحاں جوش و شہامت کا
ترازو تھا یہی اُن کے ثبات و استقامت کا
یہ پہلی جنگ تھی درپیش سیّد[1] کی جماعت کو
یہیں سے پھیلنا تھا دین و آزادی کی دعوت کو
جہادِ حریت اس کے نتائج ہی پہ ہونا تھا
یہیں سے تخت پانا تھا یا تختے کو بھی کھونا تھا
یہیں سے اللہ نے اہلِ حرم کو آزمانا تھا
یہیں پہ مصطفٰے کے عاشقوں کو پرکھا جانا تھا
جناب سیّد والا نے اب شوریٰ کو بلوایا
طریقِ جنگ کے سب پہلوؤں پر غور فرمایا
بڑی دیدہ وری سے صورتِ حالات کو جانچا
ہر اِک کی رائے کو تولا ہر اک کی بات کو جانچا
بالآخر طے ہوا کہ اِک جماعت پار اُتاریں گے
عدو پر شب کے پچھلے پہر میں شبخون ماریں[2] گے

قصبہ اکوڑہ اور روحِ جہاد

سیدین شہیدین کی تحریک کا اثر تھا کہ جب ان نفوسِ قدسیہ نے حق و باطل کے میدان پہلے معرکہ کے لیے اسی سرزمین کا انتخاب کیا اور یہاں پر وہ تاریخی جنگ لڑی گئی جو کہ آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ کا کام دے گی۔ قضاو قدر سے ان نفوسِ قدسیہ کے انفاسِ مبارکہ فضاء میں تحلیل ہو گئے جس کی وجہ سے اکوڑہ خٹک کی فضاء میں وہ کیف اور جہادی روح پھونکی گئی جس کے برگ و بار تقریباً دو صدیوں بعد سرزمینِ افغانستان میں ظاہر ہوئے کہ جب افغانستان میں سُرخ استعمار نے اپنے لیے راستہ ہموار کیا اور یہاں کے مسلمانوں کے عقائد اور دینی حمیت کو ملیامیٹ کرنے کی کوشش کی تو سب سے پہلے فرزندانِ دارالعلوم حقانیہ نے اس سامراجی قوت کے خلاف مسلح جہاد کا آغاز کیا اور تاریخِ عالم پر وہ نقوشِ جاوداں ثبت کیے کہ آج ایک دنیا اُن کے کارہائے نمایاں پر انگشت بدنداں ہے

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

زمینِ اکوڑہ اور دنیائے شعر و ادب

خوشحال خان خٹک جو کہ اسی قطعۂ زمین کا سپوت ہے اور ان کے بعد ان کے بیٹوں اور پوتوں کا ادبی اور شعری دنیا پر اتنا بڑا احسان ہے کہ رہتی دنیا تک یہ طوق اس کے گلے کا ہار بنا رہے گا ——

خوشحال خان خٹک نے جو علمی اور ادبی ورثہ چھوڑا ہے، باوجودیکہ وہ ایک جنگجو آدمی تھے یہ بات حیران کن ہے کہ انہوں نے نظم اور نثر کا وہ ذخیرہ چھوڑا جس سے برسوں نہیں بلکہ صدیوں تک ادبی نقاد، دانشور، علماء اور فضلاء استفادہ کریں گے۔

بعدازاں اس خاندان کے دیگر نامور شعراء و اُدباء مثلاً اشرف خان ہجری، افضل خان، کاظم خان شیدا، کامگار خٹک اور عبدالقادر خان خٹک نے عروسِ شعر کی مانگ میں وہ موتی رکھ دیئے کہ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اس کی چمک دمک میں مزید اضافہ ہوتا رہے گا۔ اور آج تک یہ قصبہ ادباء، شعراء اور محققین کا مسکن رہا ہے۔ بہرحال یہ ایک طویل ترین موضوع ہے جس پر کافی مواد مطبوعہ شکل میں موجود ہے۔

تھا جنہیں ذوقِ تماشا وہ تو رخصت ہو گئے
لے کے اب تو وعدۂ دیدارِ عام آیا تو کیا
انجمن سے وہ پرانے شعلہ آشام اُٹھ گئے
ساقیا محفل میں تو آتش بجام آیا تو کیا

اقبالؒ

---

[1] سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ [2] ماہنامہ الحق، جلد ۱۰ شمارہ ۱۲ صفحہ ۴۱